

رسائل وسائل

جلد بازی اور نیکی میں سبقت: ایک اجھن

سوال : دو مقولے ہیں جنھیں ہم عام طور پر لوگوں کی زبانوں سے سنتے ہیں اور وہ دونوں مقولے ایک دوسرے کی خدمت ہیں۔ پہلا مقولہ یہ ہے کہ جلد بازی شیطان کا کام ہے، اور دوسرا یہ کہ سب سے بھلی نیکی وہ ہے، جو جلد کرنی جائے۔ کیا یہ دونوں مقولے حدیث نبوی ہیں؟ اگر ہیں تو ان دونوں کے درمیان مطابقت کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اگر حدیث نہیں ہیں تو ان میں صحیح کون سا ہے؟

جواب: پہلا مقولہ تو ایک حدیث نبوی کا جزو ہے۔ پوری حدیث یوں ہے:
إِنَّ اللَّهَ وَالْعَذْلَةُ وَالشَّيْطَانُ هُمْ تَحْرِيرُهُمْ كَرَمُ اللَّهِ كَيْفَ يَصْنَعُ
ہے اور جلد بازی شیطان کی صفت ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جلد بازی کو ہر زمانے میں اور ہر قوم نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ اس کے برعکس ٹھیکر خوش اسلوبی کے ساتھ کام نہیں کی تعریف ہر زمانے کے ذی شعور لوگوں نے کی ہے۔ اس مفہوم کا حامل ایک مشہور مقولہ ہے:
فِي الدُّنْيَا السَّلَامَةُ وَفِي الْعُذْلَةِ النِّفَافُ چار کرٹھیر ٹھیکر کام کرنے میں سلامتی ہے اور جلد بازی میں ندامت ہے۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جلد بازی کو شیطان کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جلد بازی میں جو فیصلہ کیا جاتا ہے اس میں ہلاکا پن، غصہ اور طیش شامل ہوتا ہے جو بندے کو وقار، بُرُدباری اور ثابتت قدیمی سے دور کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے نتائج اکثر وہیں ترددے ہی ہوتے ہیں۔

ایک حدیث نبویؐ ہے: **يُسْتَبَأْ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَسْتَغْفِلْ**، ”بندے کی دعا قبول ہوتی ہے، اگر وہ جلدی نہ چجائے۔“

ربا دوسرا مقولہ تو وہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ البتہ حضرت عباسؓ سے اسی مفہوم کا قول مردی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ: **لَا يُتَمَّمُ الْمُعْرُوفُ بِالْإِنْتَغَافِلَةِ**، ”بھلا کام اُسی وقت پورا ہوتا ہے جب اسے جلد از جلد کر لیا جائے۔“

اس قول میں بھلائی کے کام کو جلد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنا اور اس کی طرف تیزی سے لپکنا ایک پسندیدہ اور قابل تعریف صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے:

أُولَئِكَ يُسْرِعُونَ فِي النَّيْرَاتِ وَلَهُمْ لَهَا سِقْوَرٌ (المومنون ۲۳:۲۱)

یہ لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

فَاسْتِقْوَا النَّيْرَاتِ (البقرہ ۲:۱۲۸) بھلائیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔ چنانچہ یہ دوسرا مقولہ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے بالکل درست ہے۔ اگرچہ یہ حدیث نہیں ہے اور اس مقولے اور مذکورہ حدیث کے درمیان معنی و مفہوم کے اعتبار سے کوئی تناقض بھی نہیں ہے کہ مطابقت کی ضرورت ہو۔

علماء کرام نے ٹھیڑھیر کر کام کرنے کو قابل تعریف اور جلد بازی کو قابل مدت تین شرطوں کے ساتھ ٹھیڑھیرا یا ہے:

۱- پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کام جس کا کرنا مقصود ہو، اگر اطاعتِ الہی اور بھلائی اور نیکی کے دائرے میں آتا ہے، تو اس میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنا اور اس میں جلد بازی کرنا، نہ صرف قابل تعریف ہے بلکہ یہی مطلوب و مقصود ہے۔ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو ہدایت کی تھی کہ: ”اے علیؓ! تم تین چیزوں میں کبھی تاخیر نہ کرنا۔ نماز جب اس کا وقت ہو جائے، جنازہ جب سامنے لا کر رکھ دیا جائے اور کنواری بڑی کا نکاح جب اس کا برمل جائے۔“

مشہور عالم دین ابوالعنیناء کوئی نے جلد بازی سے منع کیا تو آپؐ نے جواب دیا کہ اگر

ایسی ہی بات ہے تو حضرت موسیٰؑ کبھی اللہ سے یہ نہ کہتے کہ: وَعَلِيٌّ شَدِيدٌ لِّتَرْضَاهُ (طہ: ۲۰) اور اے رب، میں تیرے پاس جلدی چلا آیا تاکہ تو راضی ہو جائے۔“

۲ - وہ جلد بازی قابلِ مدت ہے، جو بغیر غور و فکر اور تدبیر کے ہو۔ کسی کام میں غور و فکر اور مشورہ کر لینے کے بعد اس میں ٹال مثول سے کام لینا کوئی تعریف کی بات نہیں۔ یہ تو سُستی اور کاملی کی علامت ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَ شَاوِذُكُمْ فِدَ الْأَمْرِ فَإِنَّا عَمِّلْتُ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (ال عمرن: ۳) اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو۔ پھر جب تمہارا عزم کسی راء پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

۳ - ٹھیک ٹھیک کر کام کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اتنی تاخیر کر دے کہ مقصد ہی فوت ہو جائے یا مطلوبہ کام کا وقت ہی تکل جائے۔ اس لیے کہ وقت تکل جانے کے بعد کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ (ڈاکٹر یوسف قرضاوی، فتاویٰ یوسف القرضاوی، ترجمہ: سید زاہد اصغر فلاحتی، اول، ص ۵۵-۶۰، دسمبر ۱۹۹۸ء)

اتفاق فی سبیل اللہ کے باوجود تنگ دستی کیوں؟

س: ایک صحیح حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر دن جب سورج طلوع ہوتا ہے تو دو فرشتے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کو برکت و فضل عطا فرمادا و بخیل کرنے والوں کو بر بادی۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اس دنیوی زندگی میں عملی طور پر بہت سے ایسے افراد میں گے، جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں لیکن پھر بھی ان کی تنگ دامانی نہیں جاتی اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بخیل سے کام لیتے ہیں اور دادِ عیش دے رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

ج: آپ نے جس حدیث کا مفہوم پیش کیا، وہ ایک صحیح حدیث کا مفہوم ہے اور بخاری و مسلم میں اس طرح موجود ہے: حضرت ابو ہریرہؓ سے مردی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دن جب شروع ہوتا ہے تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک دعا

کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو برکت عطا فرماء، اور دوسرا بددعا کرتا ہے کہ اے اللہ! بخیل کے حصے میں بربادی رکھ دے۔

اسی مفہوم میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ قرآن میں بھی متعدد آیات اسی مفہوم کو پیش کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ مَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُنْتَفَعُ بِهِ (السباء: ۳۹: ۳۷)

”جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے۔“

سوال کرنے والے کو اس حدیث کو سمجھنے میں جو غلط فہمی ہوئی ہے، وہ یہ کہ انہوں نے برکت اور بربادی کو مال و دولت کی حد تک محدود کر دیا ہے، جب کہ برکت کا مفہوم محض مال و دولت میں اضافہ اور بربادی کا مفہوم محض مال و دولت میں خسارہ نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم اس سے وسیع تر ہے۔ برکت کی بے شمار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ برکت کبھی صحبت و تن درستی کی شکل میں ملتی ہے تو کبھی نیک اولاد کی شکل میں۔ کبھی مال و دولت کی فراوانی کی صورت میں برکت ہوتی ہے تو کبھی محض معنوی برکت عطا ہوتی ہے، مثلاً ہدایت کی توفیق، سکون قلب اور لوگوں میں عزت و مقبولیت وغیرہ وغیرہ۔ ان سب پر مستزادہ اجر ہے، جو اللہ نے ان کے لیے آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔ برکت کو محض دولت کے چند نوٹوں میں محصور کر لینا ایک زبردست غلط فہمی ہے۔ اس لیے کہ سبھی جانتے ہیں:

”ذہنی سکون سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ إِنَّمَا يُنْهَا نَعْوَنَةُ الْأَنْفُسِ فَمَا لَكُمْ مِّنْ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (یونس: ۱۰: ۵۸) ”کہو کہ یہ اللہ کا نفضل اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی، اس پر تو لوگوں کو خوشی منانی چاہیے، یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنھیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔“

اسی طرح ”بربادی“ کا مفہوم محض مال و دولت میں خسارہ نہیں ہے۔ بربادی کبھی بیماری کی صورت میں آسکتی ہے تو کبھی غیر صالح اولاد کی صورت میں۔ کبھی لوگوں میں نفرت کی صورت میں اور کبھی ذہنی خلفشار کی صورت میں۔ کبھی انسان کو ایسی بے چینی اور خلش لاحق ہو جاتی ہے، جو ہزار نعمت کے باوجود مستقل اسے اندر ہی اندر گھلائے جاتی ہے۔ ان سب پر مستزادہ عذاب ہے جو اللہ نے اس کے لیے آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔ (ایضاً، ص ۵۶-۵۷)
